مذہب اور باہمی اختلاف

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن نقوی اجتہادی

مذہب کی ضرورت واہمیت کے مقابلہ میں یہ اعتراض گوش زد ہوتا ہے کہ اگر تمام صاحبان مذہب اپنے مذہب کے پابند بن جائیں تب بھی اختلافات کا وجود لازمی رہے گا۔ اس لئے کہ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر مذہب کے دوسرے مذاہب سے کچھ اصول ٹکراتے ہیں اور جب ہر پابند مذہب اپنے مذہب پر عمل کرے گا تو لازمی طور پر یہ اصول ان کی مادی زندگی پر بھی اثر انداز ہوں گے جس کے بعد طریق تمدن میں فرق پیدا ہو جائے گا اور ہر ایک صاحب مذہب دوسرے سے مختلف راستہ پر گامزن ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ذہن میں دوسرے سے مختلف ہونے کا شعور پیدا ہو جائے گا اور جتنی زیادہ مذہب پر پابندی شدید ہوگی اس قدر نقطۂ اختلاف بھی نمایاں ہوتا جائے گا یہاں تک کہ ایک آخری وقت وہ بھی ضرور آئے گا جب آپس میں کشت وخون ہوگا جس سے شیرازۂ انسانیت منتشر ہو جائے گا اور اجتماعی زندگی میں ایسی ابتری پیدا ہو جائے گی کہ پیکر امن کی لاش آغوش خاک وخون میں غلطاں ہوگی لہٰذا مذہب بجائے مژدہ امن کے پیغام جنگ ثابت ہوگا۔

مذکورہ اعتراض کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ یہ تصادم اصل مذہب کی بناء پر نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ذوق جنگ جوئی سے ہوتا ہے چنانچہ مذہب سے قطع نظر کر کے دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مختلف سیاسی پارٹی نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان کے اصولوں میں آپس میں اختلاف ہے نہیں تو پھر مختلف کیسے کہی جاسکتی ہیں اور جب مختلف جماعتوں کے مختلف اصول ہیں تو ان کے عالموں میں بھی اختلاف یقینی ہوگا جس کے بعد اسی طرح رسہ کشی ہوگی جس طرح پابند مذہب افراد میں ہوسکتی ہے۔

لیکن مذاہب کے تو پھر بھی متناہی اصول ہیں اور سیاسی جماعتوں کا پیدا ہونا ایک لامتناہی سلسلہ ہے مذاہب عالم جو اپنی اصل اساس کے اعتبار سے سچے نہیں ان کے اصول تو اللہ کی طرف کی معین کردہ ہیں اور جو ایسے نہ ہوں وہ بھی کچھ خاص امتیاز، وشخصیت والے افراد کے وضع کردہ ہوسکتے ہیں جو ایک بڑی جماعت کو اپنا گرویدہ بنا سکیں اور اپنے کو خالق کی طرف منسوب کرسکیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف کے معین کردہ اصول مختلف اور متصادم نہیں ہوسکتے اور خاص شخصیت رکھنے والے انسان بھی سیکڑوں برس میں چند ہی پیدا ہوتے ہیں لہٰذا مذاہب کی پھر بھی ایک حد ہے لیکن سیاست احساسات ورجحانات کے مختلف زاویوں سے پیدا ہوتی ہے اور احساسات انسانی کی کوئی حد نہیں، لہٰذا وہ قوانین جو احساسات ورجحانات سے تشکیل پاتے ہیں ان کی بھی کوئی حد نہیں ہوگی نتیجتاً پابندی مذہب سے محدود اختلافات پیدا ہوں گے اور پابندی رجحانات سے لامحدود اختلاف پیدا ہوں گے تو مذہب کو ختم کرنا محدود اختلاف کو مٹانا ہے اور سیاست کی حکومت قائم کرنا لامحدود اختلافات کا پیدا کرنا ہے۔

لہٰذا صرف مذہب کو مورد الزام قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ہاں اگر اختلافات کو ختم کرنا ہے تو پوری دنیا کی یا تو ایک سیاسی جماعت بنائی جائے اور یا عارضی طور پر پورے عالم میں ایک مذہب باقی رکھا جائے لیکن پوری دنیا میں عارضی طور پر ایک

سیاست رائج کی جائے تو بھی اختلافات پیدا ہوں گے کیونکہ سیاست ہماری خارجی، بلکہ ظاہری زندگی میں بندش پیدا کرسکتی ہے، لیکن داخلی زندگی اس کے دسترس سے باہر ہے محرکات نفس پر سیاست بندھ نہیں باندھ سکتی ہے وہ صرف مذہب ہی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں زندگی کی ہر ہر سانس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ آخر میں وہ مذہب ہی حق ہے جو تمام دیگر مذاہب پر چھا جائے اور نقطہ اتحاد ہوسکتا ہے۔

***

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔اسلام اور انسانیت

جاؤ ہمارا تازیانہ لے آؤ۔ بلال تازیانہ لائے۔ حضرت نے سوادہ کی طرف بڑھا دیا، فرمایا: ''لو اپنا بدلہ لے لو۔'' سوادہ نے عرض کیا کہ جس وقت تازیانہ میری پشت پر پڑا تھا تو میری پشت پر لباس نہ تھا۔ اس لئے مجھے تکلیف زیادہ ہوئی تھی۔ حضرت نے یہ سن کر پیراہن پشت مبارکہ سے ہٹا دیا اور کہا تمہیں جتنی تکلیف پہنچی ہے اسی طرح بدلا پورا کرو۔'' پیراہن ہٹنے پر مہرِ نبوت نمایاں ہوئی، سوادہ مہرِ نبوت کے بوسے لینے لگے اور کہا کیا مجال ہے کہ میں اس جسم سے تازیانہ کو مس کروں۔'' حضرت نے فرمایا: ''یہ مروّت وتکلف کا موقع نہیں ہے یا بدلا لو یا کہو کہ میں نے معاف کیا۔'' سوادہ نے کہا: ''خداوندا میں نے معاف کیا۔''

رسولؐ نے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: ''پروردگارا! سوادہ نے تیرے حبیب کو معاف کیا تو اس کے گناہوں کو معاف کردے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ پیغمبرؐ کی انتہائی عزیز بیٹی جن کا بجائے خود یہ امتیاز تھا کہ رسولؐ تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے لیکن دوسروں کے ساتھ مساوات کی یہ منزل کہ جب وہ کنیز اپنی بیٹی کو عطا کی جس کا نام فضّہ تھا تو یہ ہدایت فرمادی کہ دیکھو پورا گھر کا کام اس پر نہ چھوڑ دینا بلکہ ایک دن گھر کا کام تم کرنا، ایک دن فضہ سے لینا، یہ مساوات اسلامی کا تحفّظ تھا۔

اب یہ ہوتا تھا کہ ایک دن فضّہ کھانا پکاتی تھیں اور گھر کی بی بی بیٹھ کر نوش فرماتی تھیں اور ایک دن شاہزادی عالمیاں پکاتی تھیں اور لونڈی بیٹھ کر کھاتی تھی۔ یہ رسولؐ کے گھر کا تمدّن تھا۔ اگر یہ عام ہوتا تو مسلمانوں کی دنیا جنّت ہوتی یا نہیں؟

حضرت علیؑ کا برتاؤ اپنے غلام قنبر کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ اس وقت جب آپ شہنشاہ عالم اسلام ہیں، قنبر کو ساتھ لے کر بازار تشریف لے جاتے ہیں۔ دو پیراہن خریدتے ہیں ایک سات درہم کا اور ایک پانچ درہم کا۔ سات درہم والا پیرہن قنبر کو دیتے ہیں، پانچ درہم کا خود پہنتے ہیں، قنبر نے عرض کیا: ''مولا! یہ کچھ بہتر ہے اسے آپ زیبِ تن فرمائیں۔''

ہم میں کا کوئی بڑا آدمی اوّل تو ایسا کرتا ہی کیوں اور اگر کوئی زعیم ملّت قسم کا شخص ایسا کرتا بھی تو جو ہیں غلام نے کہا تھا کہ آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ وہ فوراً ایک بسیط تقریر کے ساتھ اپنے مصلحانہ مقصد کا پھر ہرا ہوا میں اڑانے لگتا کہ میں چاہتا ہوں کہ غلاموں کے درجہ کو بلند کروں، مساوات کا علم اونچا کروں۔ امیر المومنینؑ کے پیش نظر یقیناً یہی امور تھے لیکن اگر آپ یہ سب کچھ کہتے تو اس جواب میں خود عدمِ مساوات مضمر تھی یعنی اس سے قنبر میں احساس غلامی پیدا ہوجاتا۔ لہٰذا قنبر کو ویسا جواب دیا جیسا اپنے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ فرمایا: نہیں تم نوعمر ہو، تمہیں یہ اچھا معلوم ہوگا۔ میرا کیا، میں یہ پہن لوں گا۔

یہ سیرتیں وہ ہیں جن کو عالم انسانیت کے سامنے پیش کرکے ہم دعوت دے سکتے ہیں کہ وہ ان کی پیروی کرے تو دنیا میں جو افراتفری، جو کشمکش، جو نفسانفسی ہے، وہ سب دور ہوجائیں، اور انسان عملی طور پر اس مقصد کی تکمیل کرسکے جو اس کی رفعت کے شایان شان ہے۔

***